لذت

عرب فلاسفہ کی نظر میں

از جناب صدر الدین عظیم صاحب

لذت کا موضوع بہت قدیم ہے۔ اس پر اخلاقی پہلو سے غور و فکر کا سلسلہ اس وقت سے قائم ہے جب سے انسان نے زندگی کی راہوں اور منکر و معروف پر غور و فکر کی نگاہیں ڈالنی شروع کی ہیں اس لئے کہ لذت کو خیر و شر میں بہت کچھ دخل ہے اور یہی شرور و خیرات اخلاق کی بنیاد ہیں۔ پرانے نظریات جو فلاسفہ کی طویل کاوش فکر کا نتیجہ ہیں اور آج بھی موضوع فکر ہیں۔ ان میں دو نظریے اساسی حیثیت رکھتے ہیں جو اپنے بانیوں اور متبعین کے نام سے موسوم ہیں[۱] پہلا فلسفہ رواقی (Staic) اور دوسرا ابیقوری (Epicurean) ہے۔ رواقیوں کا مسلک تصوف اور زہد و تقشف ہے۔ وہ دنیا کی ہر لذت سے بُعد اور دنیا کی تمام خواہشات اور دلفریبیوں سے کنارہ کشی کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن ابیقوری اس کے بالکل خلاف ہیں۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ انسان آخر کس لئے پیدا ہوا ہے؟ اسے چاہئے کہ اس

---

[۱] رواقی اور ابیقوری کی وجہ تسمیہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ رواقیت کا بانی یونانی فلسفی زینو (Zeno.) جس کا مسلک تصوف اور لذت و دنیا سے بے پروا رہنا تھا، اپنے فلسفے کی درس و تدریس اور طالب علموں کے سامنے تقاریر و خطبے برساتی (Portico) میں دیا کرتا تھا جسے یونانی زبان میں (STOa) کہتے ہیں۔ اسی لئے اس کے طالب علموں اور پیرو مقلدوں اور ہمخیالوں کو (STOics) کہنے لگے جس کو اردو میں "برساتی والے" کہا جا سکتا ہے۔ عربی میں لفظ رواقیین یونانی لفظ (STOics) کا لفظی ترجمہ ہے۔ رواق کے معنی عربی میں برساتی (STOa.) آتے ہیں۔ اسی سے رواقی وغیرہ تمام مشتقات ماخوذ ہیں۔ ابیقورین اپنے مفکر ابیقورس (Epicuras.) کے نام سے موسوم ہیں۔ ابیقور کا مسلک تلذذ تھا۔ آج اس سے بڑھ کر ہر متلذذ کو ابیقوری کہنے لگے۔ ص۔ ع

دو روزہ زندگی میں لذت کو ہر ممکن طریقہ سے حاصل کرے اور الم سے جہاں تک ہو سکے اجتناب برتے پھر نفس لذت کو مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔ لذت جسمانی اور لذت عقلی۔ پائدار اور ناپائدار لذت۔ پائیدار لذت وہ ہے جو کچھ مشقت کے بعد ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائے اور ناپائیدار وہ ہے جس سے ہم چند روز محظوظ ہو سکیں اور اس کا انجام الم ہے۔ ظاہر ہے کہ عقلی لذت جسمانی لذت سے بہتر ہے نیز پائیدار اور ابدی لذت چند روزہ عیش سے کہیں افضل ہے۔ اس وقت ہمیں ان نظریات پر کوئی طویل بحث کرنی نہیں بلکہ محض فلاسفہ کا ایک اصولی اختلاف بتانا مقصود ہے جس کا عالم یہ ہے کہ لفظ "رواقی" اصطلاح و لغت میں محض زاہد و ناسک کے لئے استعمال ہوتا ہے اور "ابیقوری" سے مراد ہمیشہ ضد ہوتی ہے۔

مسلمان فلاسفہ نے لذت کے بارے میں مختلف رائیں اختیار کی ہیں جنھیں تین نظریات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ حقیقی لذت آخرت کی سعادت اور طاعت خداوندی و اوامر الٰہی کی بجا آوری ہے۔ دوسرا یہ کہ اصل لذت تحصیل علم اور استحکام عقل ہے۔ تیسرا یہ کہ لذت کا اصل راز اعتدال میں مضمر ہے پہلے مذہب کے مؤید اصحاب تصوف ہیں اور اسلام میں انھیں کی رائے غالب ہے۔ اس مذہب کی تائید قرآن کی منصوصہ آیتوں سے بھی ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

وللاخرة خير لك من الاولى (سورۂ ضحیٰ) اور بیشک آخرت تیرے لئے آغاز سے بہتر ہے

دوسری جگہ ہے۔

اُنظُر كيفَ فَضَّلنا بعضَهم على بعض و للآخِرَةُ اكبرُ درجاتٍ واكبرُ تفضيلاً (سورۂ اسراء) دیکھو ہم نے ان کو ایک دوسرے پر کس طرح فضیلت دی ہے اور یقین مانو کہ آخرت بہت بڑا درجہ اور اہم ترین

اسی طرح قرآن میں اور بھی آیتیں ہیں لیکن وہ آیت جسے متصوفین محرک لذت کے استدلال میں پیش کرتے ہیں اور جس کی بنیاد پر طالبین لذت کی عاقبت الم ابدی بتلاتے ہیں وہ یہ ہے۔

فَاَمّا مَن طَغى وَاثَرَ الحَيٰوةَ الدُّنيا فَاِنَّ لیکن جس نے کہ سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی

یجحیہ وھی المادی (سورہ النازعات) یقین مانو کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

شاید سب سے بڑا محرک جس نے اس جماعت کو زہد عن الدنیا اور لذت سے اجتناب پر آمادہ کیا یہ ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ ورع و تقویٰ مٹ چکا ہے۔ طبیعتوں میں طمع اور خواہشِ نفسانی نے گھر کر لیا ہے۔ دلوں سے شریعت کی حرمت زائل ہو چکی ہے۔ صوم و صلوٰۃ لائقِ استہزا ہیں اور مسلمان ہر طرح کی غفلت میں سرگرم اور خواہشات کی دنیا پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔[1] اس مرض کا سب سے بہتر علاج زہد و تقشف نظر آیا یعنی دل کو دولت و طمع سے بالکل موڑ لیا جائے اور دنیا کو ٹھکرا کر اس کی ہر لذیذ تمنا اور خواہش دل سے دھو ڈالی جائے اور صرف ایک خدائے واحد پر بھروسہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت حسن بصری زہد کی تعریف کرتے ہیں "زہد دنیا اور اس کی ہر شے سے بغض و منافرت کا نام ہے۔"

اس کے علاوہ فلاسفہ کی ایک دوسری جماعت ہے جو متصوفین اور تارکین دنیا کی طرح غلو کی قائل نہیں۔ حرام و حلال میں تفریق کرتی ہے اور لوگوں کو جائز لذت سے متمتع ہونے کا حق بخشتی ہے لیکن بعض وقت تطہیرِ نفس کی غرض سے ایک خاص مدت تک کے لئے دنیاوی لذائذ سے الگ رہنے کو مستحسن سمجھتی ہے۔ اس موقوف زہد و کنارہ کشی کو اعتکاف کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اعتکاف کی تعریف علامہ ابن قیم جوزی کرتے ہیں۔

ھو عکوف القلب علی اللہ وجمعیتہ علیہ	اعتکاف کے معنی یہ ہیں کہ دل کو یکسوئی اور دنیاو
الخلوۃ بہ والانقطاع عن التشغل بالخلق	خلق کے تمام کاموں سے الگ کرکے خدا کے
والاشتغال بہ وحدہ سبحانہ بحیث یصیر	ساتھ لگا دیا جائے یہانتک کہ دل میں بجائے
ذکرہ وحبہ والاقبال علیہ فی محل ھموم	خیالات اور وسوسوں کے محض خدا کی یاد اور
القلب وخطراتہ۔	اس کی محبت ہو . . . .

[1] الرسالۃ القشیریۃ ص ۲ و ۳۔

ولیصیر انسہ بالله بدلا عن انسہ معتکف کا انس و محبت بجائے انسانوں کے

بالخلق ؎۱ خدا سے ہو۔

لذت کے بارے میں ابن سینا کا خیال ہے کہ عقلی لذت محسوسات کی لذت سے افضل ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

اللذۃ ادراک مما ھو خیر عند اس چیز کے حصول کا نام جو طالب کے نزدیک بہتر ہو

المدرک والالم ادراک لما ھو شر لذت ہے اور اس کے برخلاف بری چیز کے حصول کا

عند المدرک وقد یختلف الخیر و نام الم۔ نیز اچھائی و برائی حسب محبت و قیاس

الشر بحسب القیاس ؎۲ مختلف ہوتی ہے۔

ابن سینا کی یہ تعریف بالکل مجمل ہے اور یہ سوال باقی رہتا ہے کہ یہ لذت کس طرح کی ہوگی اس کی تشریح کے لیے آگے چل کر بتلاتے ہیں کہ عقلی لذت جسمانی لذت سے بہتر ہے۔

فلما ثبت ان اللذۃ عبارۃ عن ادراک جب یہ ثابت ہوگیا کہ مناسب چیز کے حصول کا نام لذت

الملائم وثبت ان الملائم للجوھر ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ایک عاقل کے لیے مناسب

العاقل ان یتمثل فیہ حلیۃ الحق یہ ہے کہ جس میں نور حق کا اس حد تک عکس ہو جتنا

قدر ما یمکنہ ان ینال منہ بمناسبۃ کہ وہ اس کی مخصوص غایت میں سے حاصل کرسکے

اللذی یخصہ وثبت ان الادراک اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ادراک عقلی ادراکِ حسی

العقلی اشرف من الادراک الحسی سے افضل ہے اس لئے کہ ادراک عقلی کی رسائی

لان الادراک العقلی غائص الی محض سطح تک ہے اور معقولات کی دنیا

الکنہ والادراک الحسی واقف علی محدود ہے تو ظاہر ہے کہ قوت عقلیہ کی

السطح والمعقولات متناھیۃ والمحسوسات مدرکات قوتِ حسیہ کے مدرکات

؎۱ زاد المعاد ص ۲۲۰ و ۲۲۱ ۔ ؎۲ لباب الاشارات ص ۱۲۳ ۔

قلیلۃ وظاھر ان مدرکات القوۃ العقلیۃ سے افضل ہے۔
اشرف من مدرکات القوت الحسیۃ [1]

اسی نے معلم فارابی کبھی کہتے ہیں کہ لذت صرف یہ ہے کہ اپنی ہر خواہش کو حق کے تابع اور اپنی ہر شے حق کی خاطر قربان کردی جائے اور کبھی وہ . . . . اعتدال کے نظریہ کو اختیار کرتے ہیں چنانچہ اپنے رسالہ "ما ینبغی ان یقدم قبل تعلم الفلسفۃ" میں پہلے خیال کی تائید میں لکھتے ہیں:۔

وان الحال اللذی یجب ان یکون	اس انسان کو جو ارسطو کے علم کا مظہر اور ماخذ ہو،
علیھا الرجل اللذی یوخذ عنہ علم	چاہیے کہ اس نے اپنے نفس میں گذشتہ باتوں کو جگہ
ارسطو فھی ان تکون فی نفسہ ما	دی ہو اور اپنے اخلاق کو درست اور اپنے نفس
قد تقدم واصلح الاخلاق من نفسہ	شہوانیہ کی اصلاح کی ہو، اس طرح کہ اس کی ہر
الشھوانیۃ کما تکون شھوتہ للحق فقط	خواہش محض حق کے لئے ہو نہ کہ لذت کے لئے اور اس
لا للذۃ واصلح ذالک قوۃ النفس الناطقۃ	کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے نفس ناطقہ کی قوت کی بھی
کما تکون ارادتہ صحیحۃ۔	اصلاح کی ہو تاکہ اس کے ارادے صحیح ہوں۔

اس کے بعد تیسرا نظریہ اعتدال کا ہے جسے اکثر کاتبین عرب نے اختیار کیا ہے۔ یہ نظریہ ارسطو کے نظریۂ اعتدال سے ماخوذ ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ انسان تین عناصر وقویٰ سے مرکب ہے۔ قوتِ عقل، قوتِ شہوانیہ، قوتِ غضب۔ اس کے بعد ان کے متفرع فضائل چار ہیں۔ پہلے غور و فکر کا مادہ ہے جو قوتِ عقل کا کرشمہ ہے۔ دوسرے شجاعت کا جوہر جو قوتِ غضب کا مظہر ہے۔ تیسرے عفت جو قوتِ شہوانیہ کا صحیح رخ ہے۔ رہے ان سب کے بعد چوتھی چیز جو سب کا ضروری جزو اور تمام فضائل کا میزان ہے وہ عدل و اعتدال ہے۔ ہمارا نظریۂ اعتدال ارسطو کے اسی اصول سے ماخوذ ہے

---

[1] لباب الاشارات لفخر الدین الرازی ص ۱۲۴ و ۱۲۵

اس نظریہ کے علمبردار امام غزالیؒ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لذت دو وجوہ سے ضروری ہے۔ اول یہ کہ قیام زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ دوسرے یہ کہ لذت کے احساس ہی کی وجہ سے ہم لوگوں کو جنت کی ترغیب دلا کر اور جہنم سے ڈرا کر حق کی جانب مائل کر سکتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

فانھم ان لم یحسو بھذہ اللذات — اگر انھیں اس لذت والم کا احساس نہ ہو تو وہ کبھی
والالم لم یرغبوا فی الجنۃ ولم یحذروا — جنت کی طرف راغب اور دوزخ سے خائف
النار ولو وعدوا بما لا عینٌ رأت — نہ ہوں گے اس لئے کہ محض ایک ایسی چیز کے
ولا اذنٌ سمعت ولا خطر علی — وعدہ سے جسے نہ آنکھوں نے دیکھا ہو اور نہ کانوں
قلب بشرٍ لما اثر ذالک بمجردہ — نے سنا ہو اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا خیال
فی نفوسھم [1] — گذرا ہو۔ دلوں پر اثر نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد لذت کی تقسیم کر کے اعتدال کی صحیح راہ بتلاتے ہیں۔

علی الانسان ان یراقب شھواتہ — انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی خواہشوں کی جن پر ہمیشہ
والغالب علیھا الافراط لا سیما الی — افراط غالب رہتی ہے نگہداشت کرے بالخصوص
مقتضی الفرج والبطن والی المال — شرمگاہ اور پیٹ کی طلب، مال و حکومت کی تمنا اور
وحب الثناء والافراط والتفریط فی — مدح پسندی کی طرف ان کا میلان زیادہ رہتا ہے
کل ذالک نقصانٌ وانما الکمال فی — ان میں افراط و تفریط ہر حال میں نقصان کا باعث ہے
الاعتدال ومعیار الاعتدال العقل — اور فضل و کمال ہمیشہ اعتدال میں ہے اور اعتدال کا
والشرع ...... ومن عرف — معیار عقل و شرع ہے ..... اور جس نے اسی
ھذا کان مقصدہ من الطعام — سمجھ لیا تو اس شخص کے کھانے کا مقصود بجائے تلذذ
التقوی علی العبادۃ دون التلذذ بہ — کے عبادت کے لئے قیام قوت ہو گا اس لئے وہ

[1] میزان العمل للغزالی ص ..

فیقتصر ویقتصد لا محالۃ ولا یشتد الیہ لامحالہ ضروری پر اکتفا کریگا اور اعتدال سے کام لیگا

شرھۃ ویعلم ان شھوۃ الجماع اور لذتوں کی ہوا و ہوس کو تیز نہ ہونے دیگا۔ نیز اسے

خلقت لتکون باعثۃ علی الجماع یہ جاننا چاہئے کہ جماع کی شہوت صرف اس لئے

اللذی ھو سبب بقاء النوع محفوظا پیدا کی گئی ہے کہ اس سے نوعِ انسانی کا بقار مقصود

لیطلب النکاح للولاد وللتحصن۔ ہے۔ پس اسے نکاح صرف پاکدامنی اور تولید کے

ولا اللعب ولا للتمتع۔ [1] لئے کرنا چاہئے نہ کہ لہو و تمتع کے لئے۔"

اس قسم کا ایک لطیف اشارہ فارابی نے بھی اپنی کتاب "آرار اہل المدینہ الفاضلہ" میں کیا ہے چنانچہ وہ ان صفات کا ذکر کرتے ہوئے جن سے ایک صاحب فضل و کمال کو متصف ہونا چاہئے لکھتے ہیں۔

ھو ان یکون غیر شرہ علی الماکول وہ کھانے پینے اور ازدواج کا کبھی حریص نہیں

والمشروب والمنکوح متجنبا بالطبع ہوگا۔ اور وہ طبعی طور پر لہو و لعب سے بچنے والا

للعب ومبغضاً للذات الکائنۃ اور ان سے پیدا ہونے والی لذات کو ناپسندیدہ

عن ھذہ نگاہوں سے دیکھنے والا ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ حصولِ لذت سے مطلق انکار نہیں کرتے ہیں بلکہ اس میں اعتدال کے طالب ہیں اسی لئے "شرہ" یعنی طامع و حریص کا لفظ استعمال کیا۔ لفظ "تارک" نہیں کہا۔ آگے چل کر استغنائے مال کو یوں بیان کرتے ہیں:۔

(ھو) ان یکون الدرھم والدینار و اس کی نگاہ میں درہم و دینار اور دنیا کی ساری

سائر اعراض الدنیا ھینۃ عندہ متاع حقیر ہوگی۔

اس تصریح کے بعد اس کے مقابلہ میں مدینۂ جاہلیت کے لذت پرستوں اور فاسقین کے

---

[1] میزان العمل للامام الغزالی۔ ص ۶۸۔ ۶۹۔

اخلاق پر ایک نظر ڈالی ہے۔

هي اللتی قصد اهلها التمتع	یہاں کے باشندوں کا مقصود کھانا پینا، ازدواج
باللذة من الماکول والمشروب	ونکاح، لہو ولعب اور ہر محسوس ومتخیل لذت
والمنکوح بالجملة من المحسوس	وتمتع کا ہر ممکن طریقے سے حصول ہوگا۔ اور
والتخیل وایثار الهزل واللعب	لہو وہزل کو ہر لحاظ اور ہر طرح ترجیح
لکل وجه ومن کل نحو۔ ۱	دیں گے۔

امام فخر الدین رازی کی رائے کا خلاصہ بھی اعتدال کی حد سے باہر نہیں نکلتا ہے۔ ان کا یہ نظریہ ان کی کتاب "الرسالة الفلسفة" میں بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اس نظریہ کے اظہار کا سبب خود ان کے الفاظ میں یہ ہے۔

ان ناسا من اهل النظر والتمیز	بعض اصحاب نظر وتمیز نے جب دیکھا کہ
عابونا واستفصونا لما راؤنا	ہم امام فیلسوف سقراط کے طریقہ اور
نخالف سیرة امامنا سقراط	مذہب کے مخالف ہیں تو ہم کو عیب و
الفیلسوف۔	نقص سے متہم ٹھہرایا۔

رازی کے نزدیک مباح اور جائز لذتوں سے متمتع ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ وہ تارکینِ لذت پر سخت تنقید کرتے ہیں چنانچہ لذت کے حدود کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

المغبون من اشتری لذة بائدة	وہ شخص خسارے میں ہے جس نے ایک غیر فانی
منقطعة متناهیة بدالمحبة باقیة	لامتناہی اور غیر منقطع لذت کے بدلے میں ایک فانی
غیر منقطعة ولامتناهیة، لذالك	منقطع اور متناہی لذت کو خریدا۔ اس لئے ہمیں

---

۱ المدینة الفاضلة ص ۶۶ و ۶۷ و ۶۸ و ۶۹۔

لا ینبغی ان نطلب لذةً لا یدنی الوصول	کسی ایسی لذت کا طالب نہیں ہونا چاہیے جس کے
الیہا من ارتکاب امر یمنعنا من التخلص	حصول میں ایسے امر کا ارتکاب کرنا پڑے جو
الی عالم النفس او یوجب المًا مقدارہ	عالمِ نفس تک پہنچنے سے باز رکھے یا جس کی وجہ سے
فی کمیتہ وکیفیتہ اعظم واشد	ہم ایسے الم سے دوچار ہوں جو کیفیت وکمیت کے
من اللذة اللتی اثرنا واما سائر	اعتبار سے ہماری ترجیح دی ہوئی لذت سے کہیں زیادہ
ذالک من اللذات فمباحۃ لنا۔	سخت ہے۔ اس کے علاوہ باقی اور تمام لذتیں ہمارے لئے مباح ہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

والحد الاعلیٰ للذة ان یمتنع	لذت کی اعلیٰ حد یہ ہے کہ انسان ان تمام لذتوں سے
الانسان من الملاذ لا یمکن الوصول	اجتناب کرے جس کے حصول میں ظلم وقتل جیسی
الیہا الا بارتکاب الظلم والقتل	بری باتوں کا ارتکاب کرنا پڑے اور اس کی ادنیٰ
والحد الاسفل اعنی فی التقشف	حد یعنی قلت وتقشف کی حد یہ ہے کہ انسان
والقتل بان یاکل الانسان مالا	وہ چیزیں کھائے جو اس کو مضر نہ ہوں لیکن ان کی
یضرہ ولا یحرص علیہ ولا یتعدی	حرص وطمع نہ ہو ایسی چیزوں کی طرف حد سے زیادہ
الی ما یستلذہ غایۃ الاستلذاذ	رغبت نہ کرے جو اس کے لئے بہت زیادہ لذت
ویشتہیہ فیکون القصد منہ	بخش ہوں ورنہ اس کا مقصد انسداد جوع کے
للذة والشہوة لا لسد الجوع۔	بجائے محض لذت وخواہش کا حصول ہو جائیگا۔

رازی ان لوگوں پر جنھوں نے اپنے آپ کو بالکلیہ مباح لذت سے روک کر اپنے نفس کو الم کا خوگر بنا دیا ہے، سخت تنقید کرتے ہیں۔ اسی لئے وہ مسیحی راہبوں اور متصوفین اسلام کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے، لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے کہ ایک فیلسوف بہت سی مباح لذتوں کو

اس لئے چھوڑدے کہ اس سے اس کا مقصود تقویت نفس اور اپنے کو عوائد حسنہ کا خوگر بنانا ہے۔اس مقصد کے حصول کی خاطر ایک فیلسوف کے لئے ترک لذت جائز ہوسکتا ہے۔لیکن اس سے زہد وتقشف کی عام دعوت بنادینا کسی طرح معقول اور بہتر نہیں۔

ان بحثوں کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریے عربوں کے نہیں ہیں بلکہ یونانیوں سے ماخوذ ہیں۔حکمائے عرب کے ہاں ان نظریات کا کوئی وجود نہ تھا۔جب یونانیوں کے علوم مسلمانوں میں منتقل ہوئے۔تو ہمارے فلاسفہ نے ان بہت سے افکار وخیالات کو اسلامی جامہ پہنا کر اسلام میں داخل کرلیا اور انھیں بڑی ترقی دی۔یہ نظریے یونانیوں کے یہاں ایسی مرتب اور مدون شکل میں موجود نہیں تھے بلکہ محض پراگندہ خیالات اور منتشر رائیں تھیں جنھیں عربوں سے مدون اور مرتب کرکے بہت آگے بڑھادیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بہترین کتاب

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کا اردو ترجمہ

اصل کتاب کی اہمیت کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کا نام نامی کافی ہے۔شاہ صاحبؒ نے اس کتاب میں قرآن مجید کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔یہ کتاب حقیقت میں کلام الٰہی کی تفسیر صحیح کے لئے ایک کنجی کا کام دیتی ہے۔چنانچہ خود حضرت شاہ صاحبؒ اس کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں "جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کے سمجھنے میں دوستوں کے لئے کارآمد ہوسکتے ہیں انھیں ایک رسالہ میں منضبط کردوں۔ان قواعد کو سمجھ لینے سے ایک وسیع شاہراہ کتاب اللہ کے سمجھنے میں کھل جائیگی"۔کتاب کا ترجمہ ہماری زبان کے مشہور مترجم رشید احمد صاحب انصاری مرحوم نے کیا ہے قیمت صرف ۱۲ ؍ ۔ پتہ:۔ **مکتبہ برہان دہلی قرول باغ۔**